Dareecha-e-Tahqeeq

دریچۂ تحقیق

ISSN PRINT 2958-0005, ISSN Online 2790-9972

VOL 3, Issue 4

www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

طیب عزیز

پی ایچ۔ڈی اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،اسلام آباد

جدید اُردو افسانے پر فلسفہ لغویت کے اثرات

Tayyab Aziz

Ph.D Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad

Effects Of Absurdism On Modern Urdu Short Stories

The topic of this research is "Effects of Absurdism on Modern Urdu Short Stories". The research method for this is descriptive. In this research, the theory of the philosophy of absurdism has been described and along with, its effects in modern Urdu Short Stories have been studied. In this regard, the themes, techniques and styles of modern Urdu Stories have been researched in the context of philosophy and absurdism. The approach of the critics towards modern Urdu Story and especially towards the philosophy of absurdism is described. This research provides awareness about the modern Urdu story and Short Story writers.

Keywords: Existentialism, Nihilism, Absurdity, Absurdism, Skepticism

کلیدی الفاظ: فلسفہ لغویت ,وجودیت :لایعنیت, نیستی ،زینو کا فلسفہ وہمہ ڈرامے کا نام: مسیحہ کا انتظار

بانجھ محنت: ایسی محنت جس کا کچھ حاصل نہ ہو۔ لایعنیت: پھیلاؤ/فضول،بے معنی ۔فلسفیانہ خودکشی:پرانے نظریات کا ختم کر کے نئی زندگی شروع کرنا۔ خسیس: لالچی/ کنجوس۔لایعنی فرد: ایسافرد جو فلسفہ لغویت پر یقین رکھتا ہے۔ متقابلیت: چیزوں کے مابین تقابل کرنے کا رویہ۔ شائین: عالموں کی محفل جس میں علماء سفر اختیار کر کے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں،

جدید اُردو افسانے فرد کی فلاسفی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ وجودیت (Existentialism) کے بعد فلسفہ لغویت(Absurdism) نے عالمی فکشن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا میں کم و بیش اسی فلسفہ فکر پر ادب تخلیق کیا گیا۔البرٹ کامیو،Albert Camus دوستوفسکی،Fyodor Dostoevsky ،فرانز کافکا،Franz Kafka، سمع البیکٹ Samuel Bakerوغیرہ نے فلسفہ لغویت کے تحت فکشن تخلیق کیا جس کو دنیا کی کئی زبانون میں ترجمہ کیا گیا۔جدید اُردو افسانے میں بھی اس کے اثرات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے جواِس کے اثرات سے تبدیل ہوا ہے۔اُردو ادب کے جدید افسانہ نگاروں نے اس فلسفہ فکر کو اس کے موضوعات اور فنی خصائص کے ساتھ اپنایا ہے۔

اُردو ادب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وجودی فکر کے بعد فلسفہ لغویت کے حوالے سے خال خال مضامین ہی اردو زبان کا حصہ بن پائے ہیں۔وجودیت کے حوالے سے ڈاکٹر افتخار بیگ، محمد امین، فردوس احمد قاضی وغیرہ نے اس موضوع پر کام کیا ہے۔وجودیت کے حوالے سے ڈاکٹر افتخار بیگ کی کتاب "نئے شعری پیراڈایم اور وجودیت" وجودیت کو سمجھنے کے لئے اہم کتاب ہے۔اس کے ساتھ ساتھ فاخر حسین، صغیر ملال، ولی اللہ بغدادی، احمد سہیل نے فلسفہ لغویت کے حوالے سے کچھ بنیادی مضمون لکھے ہیں لیکن ان تمام مضامین کے مجموعے مطالعے سے مکمل فلسفہ لغویت واضح نہیں ہوتا بلکہ یہ

Corresponding Author,s Email: snazir@numl.edu.pk

فلسفہ لغویت کے بنیادی مباحث کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔اس سے پہلے کہ جدید اردو افسانے کا مطالعہ کیا جائے ضروری ہے کہ فلسفہ لغویت کے بارے میں جان لیا جائے۔فلسفہ لغویت کے نظری اور اطلاقی مباحث کون سے ہیں؟جدید اردو افسانے میں فلسفہ لغویت کے ظہور پذیر ہونے کے اسباب کیا ہیں؟اس مضمون میں ان سوالات کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا کہ اس کے جواب تحقیقی انداز میں دیے جائیں جو افسانے کی تفہیم میں اضافے کا باعث بنے۔

لغویت کا فلسفہ بنیادی طور پر البرٹ کامیو Albert Camus نے اپنی کتاب (myth of the Sisyphus) میں پیش کیا۔اردو ادب میں البرٹ کامیو کی کتاب کا ترجمہ ارشاد احمد مغل اور انیس ناگی نے کیا ہے۔۔لغویت Absurdism کی اصطلاح مارٹن ایس ڈالر نے 1961 میں متعارف کروائی۔یہ بنیادی طور پر ادب اور خاص طور پر فکشن کی اصطلاح ہے۔یہ کتاب 1942 میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ البرٹ کامیو نے اس کتاب میں زندگی کی پہیلی کو حل کرنے کا سوال اٹھایا ہے۔کیاانسان کو زندہ رہنا چاہیے یا مر جانا چاہیے؟دیکھنے میں یہ ایک عام سا سوال لگتا ہے لیکن البرٹ کامیو نے اپنے فلسفے کی بنیاد اسی سوال پر رکھی ہے اور بتایا ہے کہ خودکشی کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم زندگی کو اس قابل نہیں سمجھتے؟

البرٹ کامیو لکھتے ہیں۔

"کیا زندگی کی بے وقعتی کا احساس ایک شخص سے تقاضہ کرتا ہے کہ وہ امید
یا خودکشی کے ذریعے اس سے فرار حاصل کرے۔یہی وہ بات ہے جس کی
وضاحت ہونی چاہیے۔جس کی شرح ہونی چاہیے۔کیا زندگی کی بے وقت ہونے
کا احساس موت کا حکم دیتا ہے۔اس مسئلے کو تمام مسائل پر فوقیت دینی چاہیے"[1]

زندگی اگر اس قابل نہیں ہے تو خودکشی کرنا بہتر ہے لیکن اگر زندگی اس قابل ہے کہ اس کو گزارا جائے تو اس حوالے سے فلسفہ لغویت فرد کی تربیت کرتا ہے۔

بنیادی طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا میں حالات اس قدر کشیدہ ہو گئے تھے کہ انسان کا سب چیزوں سے بھروسہ اٹھ گیا تھا۔جن کے متعلق جو خیالات دنیا رکھتی تھی اس نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا اور دنیا کو ایک بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔اس بڑے حادثے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فرد کے رویوں میں ایک بڑا رویہ فلسفہ لغویت کا تھا جو پہلی مرتبہ فکشن میں ناول کے ذریعے اٹھایا گیا اور بعد میں اس کا اطلاق ڈرامے کی صنف پر بھی ہوا۔مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ سیمؤل بیکٹ کا ڈرامہ waiting for godet اس حوالے سے مقبول ہے۔یہ اپنے عہد کی ترجمانی کرتا ہے کہ جنگ عظیم دوم کے فوراً بعد کس طرح کے حالات سوسائٹی میں پیدا ہو گئے تھے اور لوگوں کے سوچنے کی کیفیت کیا تھی۔اس کے بعد متعدد ڈرامے اسی حوالے سے لکھے گئے جو زندگی کی لایعنیت اور مہیب پھیلاؤ کو بیان کرتے تھے۔ان ڈراموں کا کوئی خاص موضوع نہیں تھا بلکہ ہر فرد کی باطنی کیفیات تھی جو کہ وہ بیان کر رہا ہوتا تھا۔یہ کیفیات کرداروں کی ہمہ جہت سوچ میں کوئی کردار ادا نہیں کرتی تھی بلکہ مزاح کے کا سبب بنتی تھی۔

اردو ادب میں فلسفہ لغویت کے مترادفات کے طور پر لایعنیت،بے معنویت،مہملیت،جیسے لفظ استعمال کیے جاتے ہیں۔انگریزی میں اس کے لئے Absurdity) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔Absurdity اور Absurdism کو عموماً ایک ہی معنوں میں سمجھا جاتا ہے۔جو کہ غلط رویہ ہے۔absurdism ایک اصطلاح ہے۔جو کہ فلسفہ لغویت کے حوالے سے ہے جبکہ absurdity عام معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا ترجمہ لایعنیت کیا جاتا ہے۔اس حوالے سے ناقدین کے ہاں بھی absurdism کے ترجمے کے حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ڈاکٹر افتخار بیگ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر فلسفہ لغویت جبکہ صغیر ملال،احمد سہیل نے اس کا ترجمہ لایعنیت کیا ہے۔اگر اس موضوع کے حوالے سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ لایعنیت بنیادی طور پر فلسفہ لغویت کا ایک موضوع ہے۔فلسفہ لغویت مکمل نہیں ہے۔فلسفہ لغویت کے موضوعاتی مطالعہ میں لایعنیت اور بے معنویت کا مطالعہ بھی موجود ہے جو آنے والے صفحات میں کیا جائے گا۔

بنیادی طور پر فلسفہ لغویت کی ابتدائی صورت گری میں ایک ایسے غیر معمولی فرد کی تشکیل و تجسیم ہوئی جو بیسویں صدی کے نامسائد حالات کی صورت میں نہلزم Nihilismاور Existentialism کے فلسفے کے بعد فرد کی فکر کا حصہ بنا جو وجودی فلسفہ کو ساتھ ملاتے ہوئے فرد کی تشکیل و تجسیم میں اپنا حصہ ڈالتی ہے۔بنیادی طور پر دیکھا جائے تو البرٹ کامیو نے اپنی کتاب کے آخری چیپٹر میں ایک کہانی بیان کی ہے جو ان کے مجموعی فلسفے کو بیان کرتی ہے۔

کہانی کا ہیرو گریک Greek متھالوجی کا کردار ہے۔خدا اس کو زندگی سے پیار کرنے کی بنیاد پر ایک سزا دیتے ہیں کہ تم ایک بھاری پتھر کو پہاڑ کی چوٹی تک لے جاؤ گے اور پھر نیچے لے آؤ گے یہی کرتے رہنا تمہاری سزا ہو گی۔اس سزا کو دیکھا جائے تو یہ ایک بھیانک اور بانجھ محنت جو اسے مسلسل کرنی ہے۔ یہ ہیرو اس بانجھ محنت کو اس طرح انجام دیتا ہے کہ اسی میں تلاش کر لیتا ہے کہ وہ پتھر کی طاقت پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے۔بنیادی طور پر یہ کہانی کسی بھی فرد کے لیے معنویت کا سبب بنتی ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں لطف تلاش کرے جو اس کی زندگی میں رکاوٹ بنتی ہیں۔فرد اپنی مشکلات پر قابو پا کے ہی آگے بڑھ سکتا ہے اور اس زندگی کی پہیلی کو حل کر سکتا ہے

زندگی کی معنویت کو سمجھنے کے لئے فلسفہ لغویت بنیادی طور پر آگاہی دیتی ہے کہ زندگی اپنے پھیلاؤ کی وجہ سے کوئی مخصوص معنی نہیں رکھتی بلکہ زندگی کے وہی معنی ہوتے ہیں جو فرد اپنے لیے مخصوص کرتا ہے۔سب معنویت کے دائروں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہمیں زندگی کو مقدم سمجھنا چاہیے اور ان رویوں پر غور کرنا چاہیے جو ہمیں زندگی کے نئے رویوں سے آشنا کرواسکتے ہیں۔زندگی کی یہ خود آگاہی فرد کے لیے خوشی اور سرشاری کا باعث بنتی ہے جس میں موت بھی اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔وہ اپنی کیفیات کو سمجھتے ہوئے اپنے باطن پر غور کرتا ہے اور لایعنیت کے وہ مہیب سائے جو کہ فرد کی زندگی کو جکڑے ہوتے ہیں ان سے آزادی حاصل کرتا ہے۔فرد اس بے معنویت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے ذہن کو ایسے خیالات سے پاک کرتا ہے جو کی روزمرہ اور روٹین کی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔فرد ماضی یا حال میں رہنے کی بجائے لمحے موجود میں زندگی گزارتا ہے۔یہی رویہ فرد کو آزادی کی طرف بڑھنا سکھاتا ہے ۔بنیادی طور پر یہی نکتہ سمجھنے کے قابل ہے کہ لغویت صرف فرد اور کائنات کے بیچ کا ایک رشتہ ہے جس کو قائم کرنے کے لیے اس سے گزرنا پڑتا ہے ورنہ فرد کبھی بھی اپنا رشتہ کائنات کے ساتھ قائم نہیں کر سکتا۔

سہیل احمد لکھتے ہیں۔

> "اس میں فرد اور کائنات کا تصادم ہوتا ہے اور قوت یا اقتدار کی یہ توجیہات
> مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں۔مذہبی فلسفی اس کی جتنی بھی توجیہات بیان کریں
> مگر وہ فرد کے استدلال سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔لایعنی ذہن کبھی عقل سے
> نہیں ہوتا۔فرد کو سچائی کی جستجو اور اس کے انکشاف کے لئے دنیا کو سمجھنے کی ضرورت
> پڑتی ہے"[2]

دنیا میں پیدا شدہ حالات کے تحت فرد کے رویوں میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔جنگ کے بعد کے حالات دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر اور دانشوروں کو اپنے فیصلوں پر ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔علم کی ترقی سائنس، نفسیات، فلکیات اور بیشتر علوم نے انسان کی سوچ کو یکسر تبدیل کیا۔اس سے پہلے انڈسٹریلائزیشن Industrialization اور بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں کام کرنے والے لوگ اپنے آپ کو مشین کا ایک پرزہ سمجھنے لگے تھے۔

انسانی زندگی میں یکسانیت کی فضا پیدا ہو گئی تھی ہر روز ایک ہی طرح کا کام سرانجام دینا اور ایک ہی طرح سے سوچنا اور عمل کرنے نے انسان کو تبدیل کر دیا تھا جس کی وجہ سے انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کیا اسے زندہ رہنا چاہیے؟ کیا یہ زندگی اس قابل ہے؟ اس لئے کہ بعض لوگوں کی زندگی تو جنگ کے بعد پوری طرح تبدیل ہو چکی تھی انہوں نے اپنے پیاروں کو کھو دیا تھا اور زندگی بھر جو کچھ کمایا سب کچھ لٹا بیٹھے تھے۔اس لیے زندگی سے سب کا یقین اٹھتا جا رہا تھا۔مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کلونیلزم Colonialism کی وجہ سے پوری دنیا اس جنگ میں شامل ہو گئی تھی اور پوری دنیا میں ہی اس کے اثرات نمایاں ہوئے تھے۔

اس دور میں فرد کی فلسفانہ زندگی پر غور وفکر کرنے کا رویہ سامنے آیااور وجودیت جو کہ فرد کی فکر کی عکاس ہے اس نے لوگوں کو زندگی کے معنی و مطالب واضح کرنے پر اکسایا لیکن وجودی فکر میں کرب دہشت اور خوف کی ایسی فضا تھی جس نے فرد کو معاشرتی زندگی سے الگ تھلگ کر دیا تھا۔ وجودیت کی پوری فضا کرب میں لپٹی ہوئی ہے جس میں فرد کسی لمحے وہ سکون حاصل نہیں کر سکتا جو کہ فلسفہ لغویت کے تحت فرد محسوس کرتا ہے۔ وجودیت کی انہی راہوں پر چل کر البرٹ کامیو نے اپنا سوال واضح کیا تھا۔ اس سے پہلے وجودی فکر نے جو سوال کئے تھے نئے علم کے اضافے نے ان سوالات کا کسی نہ کسی حد تک جواب دیا ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر البرٹ کامیو نے اپنا سوال واضح کیا تھا۔ اس لیے کہ البرٹ کامیو کی فکر اس بات کو نمایاں کرتی ہے کہ وہ زندگی کے پھیلاؤ اور یکسانیت کو سمجھ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ علمی حوالے سے کی ایسے نظریات جن کو صدیوں سے ٹھیک سمجھتے آرہے ہیں وہ انسان کو تباہی اور بربادی سے بچانے میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکے۔ انسانوں کی ایک بڑی آبادی جو کہ مذاہب پر یقین رکھنے والی تھی۔ ان کا مذاہب سے یقین بھی اٹھنے لگا تھا اس لیے کہ انسان اتنی بڑی تباہی اور بربادی سے گزرا تھا اور اسے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ نہ ہی اس کا یقین اور نہ ہی اس کا علم، دونوں نے ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ان حالات کے بعد اس لئے فرد کی فکر میں تبدیلی نظر آئی۔

البرٹ کامیو زندگی کو سمجھ کر جینا چاہتے ہیں جس میں وہ اپنے آپ کو آزاد محسوس کر پائیں جیسا کہ فلسفہ لغویت اپنے اندر اس آزادی کو محسوس کر واتی ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی آزادی ہے جو البرٹ کامیو کا ہیرو سسفس محسوس کرتا ہے۔ اس کے لئے تمام مشکلات راحت کا باعث بن جاتی ہیں اور وہ اپنی محسوسات اور عوامل کو تبدیل کر لیتا ہے۔

ڈاکٹر افتخار بیگ لکھتے ہیں۔

> "سسی فس چاہے تو اس جدوجہد سے دستبردار ہو سکتا ہے مگر ایسا نہیں۔ اسے اپنی ذات کے اثبات اور اپنی ذات کے استواریت سے پیار ہے اور اس کے لیے وہ جدوجہد پر رضامند ہے۔ یہی حال فرد کا ہے یہی فرد کی زندگی ہے۔ انسان کی معراج یہی ہے کہ وہ دشواری و مشکلات اور بسا اوقات لایعنیت کے باوجود اپنی جدوجہد سے دستبردار نہیں ہوتا۔[3]

بنیادی طور پر اس فلسفہ زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا یہ ایسی کرداری صفات ہیں جو کردار میں پیدا ہوتی ہیں اور اسے خود آگاہی اور خود شناسی کے عمل سے جوڑ دیتی ہیں۔ وجودی فکر کی طرح یہ کرب اور دہشت میں مبتلا نہیں کرتی بلکہ اپنے اعمال کو قبول کرنا سکھاتی ہے۔ انسان نے ماضی میں جو کچھ کیا اور اس کے نتائج جو دنیا کے سامنے آئے یہ تمام انسان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ انسان نے ماضی میں ترقی کے لئے جو کچھ سوچا تھا ویسا کچھ نہیں ہوا۔ ایٹمی جنگ Atomic War دنیا میں بھیانک طریقے سے سامنے آئی جس نے انسانوں کو مکمل طور پر خوفزدہ کر دیا ہے کہ کبھی بھی ہماری زندگی ختم ہو جائے گی اور یہ جلد ہی انسان اپنے ہاتھ سے کرے گا۔

اس فکر کے تحت نفسیاتی حوالوں سے کئی ایسے معاملات پیدا ہوگئے تھے کہ دنیا میں لوگ زندہ رہنے کی بجائے خودکشی کو ترجیح دینے لگے تھے۔ انزائٹی anxiety، ڈپریشن Depression کی فضا نے انسانی فکر پر راج شروع کر دیا تھا۔ زندہ رہنے کا کوئی ٹھوس سہارا یا فکر موجود نہیں تھی۔ اس لئے البرٹ کامیو نے سنجیدگی سے اس بات کو واضح کیا کہ زندہ رہنا کیوں ضروری ہے اور انسانی زندگی کی حدود بند کیا کیا ہیں۔ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا اسکپٹا سزم Skepticism کے فلسفے کے مطابق کردار اپنے تمام اعمال کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے۔ اس کے لیے کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے جو اس نے پہلے اپنے دماغ میں سوچ کر ترتیب نہ دیا ہو۔ یہ شائین کی آگاہی کی منزل ہے جس سے فرد آگے فلسفہ لغویت کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ البرٹ کامیو کہتے ہیں کہ ایک انسان کو اپنی حدود بندیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں۔ آزادی کا مطلب ہر گز ہر کام کی اجازت ہونا نہیں ہے۔

ڈاکٹر فاخر حسین لکھتے ہیں

> "اس شعور کے ساتھ وہ اپنی داخلی دنیا سے رجوع کرتا ہے جس میں اس بوجھ سے

اطاعت تھا کہ وہ اپنے کام کا انجام نہیں دیکھ سکے گا۔ہارن کے اس عالم میں بھی وہ
اس خود کردہ آفس سے واقف تھا جسے اس نے ایک بار منظور کر کے ہمیشہ کے لئے
اپنی زندگی کا جزو بلکہ اس کے معنی قرار دیے تھے۔سو سالہ وفاداری کا سبق دیتا ہے
جس کے ہاتھوں انسان دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے کی بجائے اپنی خوشی کے لئے
پتھر اٹھاتا ہے"[4]

مجموعی طور پر فلسفہ لغویت کی مکمل فکر کردار کی تشکیل و تجسیم میں اپنا حصہ ڈالتی ہے۔انسان اور کائنات کے درمیان ایک مہیب پھیلاؤ کو سمجھنے کا طریقہ کار واضح کرتی ہے اور اس بات کا علم دیتی ہے کہ زندگی کو سمجھے بغیر گزارنا لایعنیت Absurdity کی حدود میں رہتے ہوئے زندگی گزارنا ہے۔زندگی کو کائناتی حدود میں سمجھ کر گزارنے میں مزا ہے۔فرد اور کائنات کے درمیان اس رشتے کو ختم کر دیا جائے تو فلسفہ لغویت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اس لئے کہ فرد کو کائنات کی ضرورت ہی نہیں ہو گی۔زمین پر زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا رشتہ کسی ایسی پائیدار چیز پر استوار ہو جس میں وہ اپنا آپ دیکھ سکے اگر ایسا نہیں ہوتا تو فرد زندگی کے تضادات اور خسیس رویوں میں ہی اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔البرٹ کامیو Albert Camus کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ البرٹ کامیو نے اپنی زندگی میں نہایت ہی مشکل حالات کا سامنا کیا تھا۔البرٹ کامیو کی زندگی تلخ حالات سے بھری ہوئی ہے اور اس نے جن رویوں کا سامنا کیا ہے بہت کم لوگ ایسے تکلیف دے حالات سے گزرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس کے فلسفے میں زندگی کے معاملات اور ان دشواریوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو فرد کی زندگی کو مختلف شکنجوں میں قید کر دیتی ہے۔
انیس ناگی لکھتے ہیں۔

"وہ حادثہ جس میں کامیو ہلاک ہوا میں اسے شرمناک کہتا ہوں کہ اس نے
انسانی دنیا میں سب سے اہم مطالبے کی لایعنیت کو منکشف کیا ہے۔کامیو بیس برس
کی عمر میں ایسی بیماری میں مبتلا ہوا تھا جس نے اسے اب ترک کر دیا تھا۔اس نے
لایعنیت دریافت کی جو انسان کا احمقانہ انکار تھا۔اس سے اس نے اپنی تعمیر کی اس نے اپنی
ناقابل برداشت حالت کے بارے میں سوچا اور اس پر قابو پالیا۔اس کی ابتدائی تحریریں
اس کی زندگی کے بارے میں صداقت کا اظہار کرتی ہیں"[5]

جدید اُردو افسانے کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم
ہوتا ہے کہ افسانے میں یہ رویہ جدید افسانہ نگاروں کے یہاں ملتا ہے۔اس حوالے سے فردوس انور قاضی،صغیر ملال،ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، سلیم آغا قزلباش ،رشید امجد،خالد فتح محمد،احمد سہیل میں ان رویوں کا ذکر کیا ہے۔جدید اردو افسانے کے نمایاں موضوعات میں لایعنیت اور بے معنویت ایک اہم موضوع ہے جس کی طرف کی ناقدین نے اشارہ کیا ہے۔فلسفہ لغویت میں لایعنیت کے رویے پر فردوس انور قاضی لکھتی ہیں۔

"اردو افسانہ نگاری میں لایعنیت کے فلسفے کے تحت بہت سے لکھنے والے
سامنے آئے۔انتظار حسین ان سب میں پیشرو کی حیثیت رکھتے ہیں رشید امجد
کے افسانوں میں بھی Absurd صورت حال ہے لیکن یہ صورت حال
معاشرتی قدامت پرستی معاشرتی استحصال ملک کی سیاسی محرومیوں ایٹمی جنگ
کے مہیب خطرات عالمی خبریں اور خوف کے باطن سے نمودار ہوتی ہے"[6]

جدید اردو افسانے کا موضوعاتی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے فلسفہ لغویت کے تحت اردو افسانے میں درج ذیل پانچ موضوعات داخل ہوئے ہیں۔

لایعنیت اور بے معنویت فلسفہ لغویت کا پہلا موضوع ہے۔ جس کے تحت جدید اردو افسانے میں کی افسانہ نگاروں نے افسانے لکھے ہیں۔ اس حوالے سے رشید امجد بلراج منرا انیس ناگی اور سمیع آہوجا کے یہاں کی ایسے افسانے نظر آتے ہیں جو زندگی کی راجانیت اور بے معنویت کو واضح کرتے ہیں۔ اس حوالے سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا رشید امجد کا افسانہ "وارفتگی میں ڈولتے قدم"، "چلتے رہنا بھی موت ہے"، "بکھری ہوئی کہانی"، اسی طرح بلراج مین را کے یہاں "ہوس کی اولاد"، "روشنی کے لیے"، "کمپوزیشن دسمبر "64، خالدہ حسین کا افسانہ "سایہ" اور" نام کی کہانی"، انیس ناگی کے یہاں " حکایت نمبر 3" اور" حکایت نمبر 5"، انور سجاد کے یہاں "نہ مرنے والے"۔ "دیوار اور دروازہ"، "آنکھ اور سایہ" ایسے افسانے ہیں جو اپنے اندر لایعنیت اور بے معنویت کے ہر طرح کے پہلو پر لکھے گئے افسانے ہیں۔

فلسفہ لغویت کے حوالے سے دوسرا موضوع زندگی کی یکسانیت کا ہے جو کہ جدید افسانے کے موضوعات میں نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ یہ موضوع بنیادی طور پر زندگی کی یکسانیت اور دنوں کی تقسیم میں زندگی گزارتے ہیں گزارتے پردے دار ہو جاتا ہے اور اسے اپنی روزمرہ زندگی میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی وہ جب سوچتا ہے تو ایک ہی طرح کے واقعات اور باتیں اس کی یاداشت کا حصہ ہوتی ہیں۔ بنیادی طور پر روزمرہ کی روٹین اور زندگی کی یکسانیت نے فرد کے باطن کے احساسات کو نمایاں حیثیت میں بیان کیا ہے اس لیے کہ فرد کے لئے ان احساسات کے علاوہ سب کچھ ایک جیسا ہے اور ایک جیسے حالات میں ہی سب کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ انسانی زندگی کی ترقی کی دوڑ نے فرد کے اندر بے یقینی کی فضا پیدا کی ہے اس لیے اس نے اپنے باطن کے دروازے پر دستک دی ہے ۔ اس حوالے سے بلراج مین را، رشید امجد، انیس ناگی، خالدہ حسین، منشایاد، یوسف عزیز زاہد اور مرزا حامد بیگ نے کئی افسانے لکھے ہیں۔ ان بلراج مین را کا افسانہ "میرا نام میں ہے" رشید امجد کا افسانہ "سناٹا بولتا ہے"، خالدہ حسین کا افسانہ "نام کی کہانی"، منشایاد کا افسانہ "پے آئینگ گسٹ" اہم افسانے ہیں۔ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا فرد کے باطنی احساسات، زندگی کے متضاد نظریات، فلسفیانہ خودکشی کا عمل بھی جدید اردو میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

جدید اردو افسانے میں زندگی کے متضاد رویوں پر کئی افسانے لکھے گئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ فرد کی فکری زندگی کو واضح کرتا ہے اور کردار خود شناسی کے عمل سے جڑتا ہے۔ وہ اپنی باتوں اور اپنے نظریات پر غور کرتا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرد اپنے متضاد رویوں سے اپنی شخصیت کا اندازہ لگاتا ہے اس کو یوں کہنا چاہیے جیسے خود کے سامنے پیش ہو کر اپنا محاسبہ کرتا ہے۔ متضاد رویہ جدید افسانے میں فرد کی فکر میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں جن پر کئی افسانے لکھے گئے ہیں اس حوالے بلراج مین را کا افسانہ "بیزاری"، "ماضی کی سڑک"، "روشنی کا سیلاب"، عرش صدیقی کا افسانہ "تکمیل کا زخم"، خالدہ حسین کا افسانہ " بایاں ہاتھ"، رشید امجد کا افسانہ "قسطوں میں موت"، سمیع آہوجا کا افسانہ "ننانوے جمع ایک مساوی سفر" اہم افسانے ہیں۔

فلسفہ لغویت کے ان نمایاں موضوعات میں اثباتِ ذات اور مسرت اہم موضوع ہے جو کہ فلسفہ لغویت کا حاصل ہے اس میں فرد مسرت اور خوشی محسوس کرتا ہے اس لیے کہ فرد اور کائنات کے بیچ میں وہی پھیلاؤ اور لایعنیت کے اندھیرے چھٹ چکے ہوتے ہیں اور فرد اپنے ہونے کی یقین کے ساتھ اس دنیا کا حصہ بنتا ہے اور اپنی تخلیقیت سے اس دنیا میں وہ رنگ نمایاں کر دیتا ہے جو اس کی ذات کا حصہ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے خالدہ حسین کا افسانہ "سایہ" ، رشید امجد کا افسانہ "موڑ کے دوسری طرف"، بلراج مین را کا افسانہ "شہر کی رات" اور "لمحوں کا غلام"، عرش صدیقی کا افسانہ "ہم نشینی کا عذاب" اس موضوع کے حوالے سے اہم افسانے ہیں۔

البرٹ کامیو لکھتے ہیں۔

> "انسان زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے اور اس کے دل میں گھر بسا لیتا ہے۔
> اسلامی ذہن روشن کوشش کا خشک لکھا ہوا راستہ چھوڑ دیتا ہے۔۔۔ انسان
> اس نے اپنی بغاوت اور روشنی کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ [7]

جدید اردو افسانے میں فلسفہ لغویت کو مجموعی حوالے سے بات کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فلسفے لغویت کے تحت لکھے جانے والے فن پاروں میں لایعنیت اور بے معنویت کی فن پاروں میں واضح ہوتی ہے۔ جدید اردو افسانے میں جب ان موضوعات کو بھرتا جاتا ہے تو اس کا اثر اسلوب اور پلاٹ اور تکنیک پر بھی لازمی پڑتا ہے۔

فلسفہ لغویت کے تحت تین طرح کے پلاٹ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ایسے پلاٹ جو نہایت مختصر ہیں لیکن اپنی کرافٹ میں یہ فلسفہ لغویت کو مکمل طور پر بیان کرتے ہیں۔ایسے پلاٹ عموماً کرداری افسانوں میں بنائے جاتے ہیں۔دوسری سطح پر ایسے پلاٹ موجود ہیں جو کہ نہایت الجھے ہوئے ہوتے ہیں ۔ایسا عموماً تجریدی افسانے میں ہوتا ہے بنیادی طور پر تجرید بھی لایعنیت سے جڑا ایک عمل ہے جو ہمارے افسانے میں مصوری کے راستے داخل ہوا ہے۔تیسری سطح پر ایسے افسانے ہیں جن کے پلاٹ بڑے ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرکزی پلاٹ کے ساتھ ساتھ کئی ثانوی پلاٹ بھی ترتیب دیے جاتے ہیں ایسا کہانی کو مضبوط کرنے اور واقعات کی گٹھ جوڑ میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

جدید اردو افسانے کا فنی حوالے سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جدید اردو افسانے کی تکنیک کے حوالے سے چند ناقدین نے ہی اپنے مضامین میں مباحث کی ہیں اس حوالے سے شعور کی رو،آزاد تلازمہ خیال، فلیش بیک Flash Back اور فلیش فارورڈ Flash Forward اور کٹ کی تکنیک کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔فلسفہ لغویت کی وجہ سے جو تکنیک اردو افسانے میں رائج ہوئی ہیں ابھی ان کا تذکرہ نہ کہ دین کے یہاں نہیں ملتا۔ٹائم جمپ Time jump اور متقابلیت کی تکنیک کا ذکر بھی ناموں کے ساتھ نہیں ہے لیکن جدید اردو افسانہ نگاروں کے یہاں یہ تخلیق کی مرتبہ استعمال ہوئی ہیں بلکہ جدید اردو افسانے کا حصہ ہیں۔فلسفہ لغویت کے تحت جدید اردو افسانے میں لایعنیت کا گھونسلہ Nest of Absurdity،ٹائم جمپ Time Jump،ڈور وے Door way اور متقابلیت کی داخل ہوئی ہے۔یہ تخلیق جدید اردو افسانے کا حصہ ہیں اور افسانہ نگاروں کے یہاں کامیابی سے بھر دی گئی ہے۔

فلسفہ لغویت میں لایعنیت کا گھونسلہ اور ڈور وے ٹیکنیک ایسی ہیں جن کے کے بغیر فلسفہ لغویت کے فکشن کو مکمل نہیں کیا جا سکتا۔مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان ٹیکنیک کو خالدہ حسین، بلراج منرا، رشید امجد، سمیع آہوجا،نے کامیابی کے ساتھ اپنے افسانوں میں برتا ہے۔اس حوالے سے اردو افسانے کے ناقدین کے یہاں کسی طرح کی کوئی بحث نہیں ملتی۔فردوس انور قاضی،ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اور رشید امجد کے یہاں افسانوی مباحث میں ان کے ابتدائی خد و خال کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔اس لیے کہ جدید اردو افسانے میں ایسی تحقیق نہیں کی گئی جس میں ٹیکنیک کے ان عوامل کو دیکھا اور پرکھا جا سکتا۔فلسفہ لغویت کی تفہیم سے ہیں ان چیزوں کا علم ہوا ہے اور افسانے میں انہوں نے اپنی حیثیت واضح کی ہے۔فلسفہ لغویت کا اثر پلاٹ اور ٹیکنیک کے ساتھ ساتھ اسلوب پر بھی ہوا ہے۔اس حوالے سے تحقیق کی جائے تو معلوم ہو گا کہ خالدہ حسین،رشید امجد کے یہاں کلاسیکل اس سے ہٹ کر جدید اسالیب کے آثار ظاہر ہوئے ہیں جن کا تعلق فلسفہ لغویت ہے۔اس حوالے سے الفاظ کا انتخاب، معنویت کی سطح پر جملوں میں تبدیلیاں اور روزمرہ روٹین سے ہٹ کر بیانیہ کو تخلیق کرنے کی کوشش جدید اردو افسانہ نگاروں کے یہاں نمایاں نظر آتی ہے۔اس حوالے سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کلاسیکل افسانے کے اسالیب اور جدید افسانے کے اسالیب میں ایک نمایاں تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔علامتی اسلوب نے ہمارے افسانے کے مزاج کو خاصا تبدیل کیا تھا جس کی بنیاد پر آج آگے چل کر فلسفہ لغویت نے اپنے بیانیے کی تشکیل کے لئے اسلوب اختیار کر لیا ہے۔جدید افسانہ نگاروں کے فن پاروں میں کئی ایسے افسانے ہیں جو فلسفہ لغویت کے اسالیب کو نمایاں کرتے ہیں۔اس حوالے سے اور صدیقی کا افسانہ نمایاں ہے۔افسانے میں لکھتے ہیں:

"زندگی کے سمندر کے سامنے میں ایک قطرہ ہوں اور اگر دنیا صحرا ہے تو میں
ایک ذرہ ریگ ہوں۔میں قطرے کو سمندر سے اور ذرے کو ریگستان سے الگ
رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ جب تک قطرہ سمندر سے اور ذرا ریگستان سے الگ ہے اس
کی اپنی ہستی کا تعلق مات قائم ہے سمندر قطرے کو کھا جاتا ہے اور صحرا ذرے کو۔"8

مجموعی طور پر جدید اردو افسانے میں فلسفہ لغویت کے حوالے سے موضوعاتی اور فنی دونوں حوالوں سے لکھا گیا ہے۔بنیادی طور پر فلسفہ لغویت کی تھیوری سے ناآشنائی کی وجہ سے جدید اردو افسانے کی تفہیم کا عمل بھی پورے طریقے سے وقوع پذیر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جدید افسانہ نگاروں کے یہاں یہ فلسفہ فکر اپنی مضبوط بنیادوں کے ساتھ موجود ہے۔اس فلسفہ فکر اور طرز حیات کے بارے میں نئے افسانہ نگاروں کے یہاں بھی کی روئے موجود ہیں جو کہ

مطالعہ کے متقاضی ہیں۔ جدید اردو افسانے کی تفہیم کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ اس فلسفہ زندگی سے جڑ کر اس کے رویوں کا مطالعہ کیا جائے اور جدید اردو افسانے کی تفہیم کے عمل کو مزید بہتر بنایا جائے۔

حوالہ جات

1۔ارشد احمد مغل (مترجم)، خود کشی، البرٹ کامیو، بک ہوم، لاہور، 2013، 17

2۔احمد سہیل، لایعنیت کی بنیادی ساخت، ادب لطیف، جولائی ستمبر 1988، لاہور، 86

3۔افتخار بیگ، ڈاکٹر، نئے شعری پیراڈائم اور وجویت، بک ٹائم، کراچی، 2017، 72

4۔فاخر حسین، کامیو، دانشور اور ادیب، مضمون، سہ ماہی ادبیات، شمارہ 33، 34، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، 1998، 1008

5۔انیس ناگی، کامیو، سارتر: ادب اور فلسفہ وجودیت، مرتب، خالد محمود، نگارشات پبلی کیشنز، لاہور، 2017، ص 88

6۔فردوس انور قاضی، ڈاکٹر، اُردو افسانہ نگاری کے رجحانات، مکتبہ عالیہ پبلی کیشنز، لاہور، 1999، 562

7۔ارشد احمد مغل (مترجم)، خود کشی، البرٹ کامیو، بک ہوم، لاہور، 2013، 53

8۔عرش صدیقی، باہر کفن سے پاؤں، کاروان ادب، لاہور، 1982، 194